British Colonial Encounter with *Sharīʿat*: Nature and Effects—An Appraisal

Tanveer Ahmad[*]

ABSTRACT

In this article, an attempt has been made to relate complex legal issues of Pakistan with her late Mughal and Colonial legal heritage. By exploring predicament of Islamic/Muhammadan Law through a historical lens, the author argues that any endeavour to revive Islamic law, aligned with the demands of contemporary world, shall fall short if it fails to appreciate the colonial phenomenon that affected its very nature. The study reveals that the British attempt to codify and adjudicate Islamic law along with their introduction of new legislations were meant to gain more and more the control on the subjects of the conquered territory. Finally, some

[*] Assistant Professor/Head Department of Fiqh & Law, Islamic Research Institute, International Islamic University, Islamabad. (tanveerahmad@iiu.edu.pk)

areas are also identified where further academic as well as judicial deliberations are needed.

❁❁❁❁❁

نو آبادیاتی دور کا شریعت سے تعامل: نوعیت اور اثرات۔ ایک جائزہ

تنویر احمد ۞

نو آبادیاتی دور برصغیر کی قانونی تاریخ اور فکر میں ایک اہم موڑ ہے جس کا اثر اس دور کے باقاعدہ اختتام کے ستر برس مکمل ہونے کے بعد بھی نمایاں ہے۔ اس دور میں صدیوں سے رائج شدہ اسلامی فوج داری قانون کا خاتمہ ہوا اور دیوانی قانون میں تبدیلی کی گئی۔ مرکزی قانون سازی کی روایت رکھی گئی اور مقننہ کو وجود میں لایا گیا۔ خطے میں رائج رسم و رواج کی تدوین ہوئی اور اس کی قانونی حیثیت متعین کی گئی۔ نئے عدالتی نظام، جو کہ اب تک ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش میں رائج ہے، کی بنیاد بھی اسی دور میں رکھی گئی۔ برطانوی نظامِ قانون کی طرح عدالتی نظائر کو ہندوستان کے قانون کے مصدر کی حیثیت ملی۔ قانون کی تعلیم اور وکالت کے پیشے کی تاریخ بھی اسی نو آبادیاتی دور سے شروع ہوتی ہے۔ مختصر یہ کہ نو آبادیاتی دور نے قانون کے نظریات میں تبدیلی کے علاوہ اس کے بنیادی تصورات میں بھی تغیر پیدا کیا۔

پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد یہ سوال کہ ورثے میں ملے اس چلتے ہوئے نظام کو کیسے بدلا یا اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ کیا جائے؟ مسلسل اہل دانش، حکّام، سیاست دانوں اور قانون کے ماہرین کے لیے چیلنج بنا رہا۔ ہم آہنگی کے لیے جو کوششیں کی گئیں، ان میں کئی اور نئے حالات اور تحدیات پیدا ہوئیں۔ راقم کے نزدیک موجودہ نظام قانون کی تاریخی طور پر آگاہی مستقبل کے لیے صحیح لائحۂ عمل مرتب کرنے میں مددگار ہوگی۔ آئندہ سطور اسی جانب بڑھنے کی ایک کاوش ہیں۔

نو آبادیاتی دور کا شریعت سے تعامل حیرت انگیز طور پر مقامی اہل علم و تحقیق کے لیے قابل اعتنا موضوع

۞ اسسٹنٹ پروفیسر / صدر شعبہ فقہ و قانون، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد۔
(tanveerahmad@iiu.edu.pk)

مقالے کی تیاری کے سلسلے میں راقم ڈاکٹر سفیر اختر اور حافظ زبیر احمد ایڈووکیٹ کا شکر گزار ہے، تاہم مقالے کے مندرجات کی ذمے داری راقم پر اکیلے عائد ہوتی ہے۔

نہیں رہا۔ راقم کو تادم تحریر اردو زبان میں اس متعین موضوع پر کسی قابل ذکر تحریر کا علم نہیں ہے۔ البتہ یہ موضوع یورپی / برطانوی اہل علم کے لیے اہمیت کا حامل رہا ہے۔ اس میں بنیادی کام پروفیسر اینڈرسن کا ہے،[1] جن کا دائرۂ تحقیق مشرقی قوانین اور ان کا ارتقا رہا ہے۔

نو آبادیاتی دور کے آغاز کے وقت برصغیر کا قانونی نظام

اسلامی قانون (شریعت) کبھی بھی چند متعین متون تک محدود نہیں رہا بلکہ ماضی سے جڑے رہنے کے باوجود مسلسل تغیر اور تبدیلی کے مرحلے سے گزرتا رہا ہے۔ مسلمان اپنے اس فقہی یا قانونی ورثے — جو کہ صدیوں سے پھلتا پھولتا آرہا ہے — کو اپنے عصر کے تقاضوں کے مطابق نافذ کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں اور پیش آمدہ مسائل سے نبرد آزما ہوتے وقت اسی سے مدد حاصل کرتے رہے ہیں۔ تاریخی طور پر یہ کام مسلم فقہا کے دائرۂ اختیار کا رہا جب کہ نفاذ کا کام مسلم سیاسی حکم ران سرانجام دیتے رہے اور انھی کا کام قاضیوں کی تعیناتی کا بھی تھا۔ ہندوستان میں صورت حال مختلف نہ تھی؛ یہاں مغل حکم ران قانون کے نفاذ کے ذمے دار تھے، سولھویں اور سترھویں صدی عیسوی میں برصغیر پر ان کے اقتدار کے ساتھ عدل گستری کا نظام نافذ رہا۔ اٹھارویں صدی عیسوی میں اگرچہ مغل سلطنت اپنے مرکزی اقتدار کو مسلسل کھوتی رہی تاہم نظام عدل اب بھی باقی تھا۔[۲]

مغل دور میں قائم عدالتوں میں دیوانی، فوج داری، تجارتی یا ضوابط کے بارے میں قوانین کا غالب عنصر اسلام سے ماخوذ تھا۔ یہ قانون مغلوں کو ورثے میں پچھلے حکم رانوں سے ملا تھا جس میں انھوں نے تبدیلیاں کی تھیں۔ قدیم ہندو قانون ان علاقوں میں رائج تھا جہاں پر مغل کے بجائے مقامی ہندو حکم رانوں کا غلبہ تھا۔ دیوانی معاملات میں دینی اور عرفی قوانین رائج تھے جن کی فہرست طویل تھی۔[۳]

1- Michael R. Anderson, "Islamic Law and the Colonial Encounter in British India," in *Islamic Family Law*, eds. Chibli Mallat and Jane Connors (London: Graham & Trotman, 1990), 205-223.

۲- دیکھیے:

Alan M. Guenther, "Syed Mahmood and the Transformation of Muslim Law in British India," (PhD diss., McGill University, 2004), 1.

۳- مرجع سابق؛

John Strawson, "Translating the Hedaya: Colonial Foundations of Islamic Law" in *Legal Histories of the British Empire: Laws, Engagements and Legacies*, eds. Shaunnagh Dorsett and John McLaren (Oxon: Routledge, 2014), 158.

نو آبادیاتی دور کا آغاز اور سیاسی پس منظر

نو آبادیاتی دور کا باقاعدہ آغاز بنگال،[۴] بہار اور اڑیسہ میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے اقتدار سے ہوا اور یہی اس کے بر صغیر میں رائج قانونی نظام سے تعامل کا نقطۂ آغاز ہے۔ ۱۷۵۷ء میں رابرٹ کلائیو (Robert Clive) نے جنگ پلاسی میں نواب سراج الدولہ اور اس کی فرانسیسی حلیف افواج کو شکست دی اور بنگال کے علاقے میں طاقت کا پلڑا ایسٹ انڈیا کمپنی کے حق میں جھکا دیا۔ آٹھ سال بعد بکسر کی لڑائی میں مغل شہنشاہ شاہ عالم دوم، بنگال کے نواب میر قاسم اور اودھ کے نواب کی افواج کو کمپنی کے ہاتھوں ہزیمت اٹھانا پڑی۔ شاہ عالم کو گرفتار کر لیا گیا۔ مرہٹوں کی شورش زور پر تھی اور مغل شہنشاہ کے لیے اپنے تخت پر متمکن رہنا اسی صورت ممکن تھا کہ وہ کلائیو کی شرائط کو مان لے؛ ایسا ہی ہوا اور معاہدۂ الٰہ آباد طے پایا جس کی رو سے بنگال، بہار اور اڑیسہ کی مسند "دیوان" دوامی طور پر ایسٹ انڈیا کمپنی کو دے دی گئی۔ ابھی تک مقامی قانونی صورت حال میں کوئی واضح تبدیلی نہ آئی تھی اور ایسٹ انڈیا کمپنی رائج شدہ مغل نظام میں رہتے ہوئے ہی تجارتی میدان میں اپنی بالادستی مستحکم کرنے میں مصروف تھی۔

۴۔ بنگال مغل حکمران اکبر (۱۵۵۶-۱۶۰۵ء) کے دور تک ایک خود مختار علاقے کے طور پر اپنی حیثیت برقرار رکھے ہوئے تھا۔ ۱۵۷۶ء میں یہ قطعی طور پر مغل سلطنت کا حصہ بنا جب یہاں کا آخری بادشاہ داود خان مارا گیا۔ اکبر سے لے کر اورنگ زیب کی وفات (۱۷۰۷ء) تک بنگال مغلیہ سلطنت کا اہم صوبہ تھا۔ اس کے محاصل دوسرے صوبوں کی نسبت سہ چند تھے۔ اس صوبے میں جاگیرداری تنظیم کے اصول پر ۸۰۱۱۵۸ پیادہ فوج، ۲۳۳۳۰ سوار اور ۴۲۶۰ توپیں موجود رہتیں۔ آئین اکبری میں صوبے کے حاکم کو سپہ سالار کہا گیا تاہم وہ فوجی اور دیوانی ہر دو امور میں بادشاہ کا نمائندہ تھا۔ بعد میں وہ صوبہ دار مشہور ہوا۔ اس کو نواب ناظم بھی کہا جاتا تھا۔ صوبہ دار کی عسکری، عام نظم و نسق سے متعلق اور دیگر مصروفیات کے پیش نظر ۱۵۷۹ء میں دیوان کا عہدہ قائم کیا گیا۔ اس کا عہدے دار صوبے کا وزیر مال ہوتا اور اس کا تقرر شہنشاہ خود کرتا تھا۔ مال گزاری کی وصول یابی، سرکاری رقم کا صرف اور دیوانی معاملات کا تصفیہ دیوان کے ذمے تھا۔ دیوان ابتدائی طور پر ناظم کے ماتحت تھا۔ ایک صدی تک دیوان کا عہدہ صوبے میں طاقت (نظامت) اور دولت (دیوان) کا توازن قائم رکھنے میں مرکزی کردار ادا کرتا رہا۔ مرشد قلی خان کے دیوان بنگال، بہار اور اڑیسہ میں تقرری کے بعد یہ توازن بگڑنا شروع ہوا حتی کہ مرشد قلی خان ان صوبوں کا حقیقی ناظم بن گیا۔ دیکھیے:

F. D. Ascoli, *Early Revenue History of Bengal and the Fifth Report, 1812* (Oxford: The Clarendon Press, 1917), 3 and after.

اردو ترجمے کے لیے دیکھیے: محمد عبد الستار (مترجم)، **بنگال کی ابتدائی تاریخ مالگزاری و روداد پنجم ۱۸۱۲ء** (حیدرآباد دکن: دارالطبع جامعہ عثمانیہ سرکار، ۱۹۳۴ء)۔

معاہدۂ الہ آباد کے بعد جب کمپنی نے مال گزاری کا شعبہ سنبھالا تو اپنے زیر اثر علاقے میں عدالتی اختیارات کا استعمال کرنا شروع کر دیا اور اس کے ساتھ ہی علاقے کی قانونی صورت حال میں تبدیلی آنا شروع ہو گئی۔ آگے چل کر اس تبدیلی نے ایسے قانونی نظام کی داغ بیل ڈالی جو اینگلو محمڈن لا سے مشہور ہوا۔ یہ دراصل مسلم، انگریز قوانین اور ہندوستان میں رائج شدہ عرف کا مجموعہ تھا۔

برطانوی نو آبادیاتی دور میں ہندوستان میں رائج اسلامی قانون میں جو تبدیلیاں آئیں وہ عمومی طور پر چار طریقوں سے ہوئیں: قانونی مصادر کا ترجمہ، قانون سازی، عدالتی فیصلے و نفاذ اور قانون کی درسی کتب کی اشاعت۔ ان چاروں طریقوں نے اپنے طور پر منفرد نوعیت کا قانونی ادب پیدا کیا اور ایسا قانونی نظام وضع کیا جو نو آبادیاتی دور کے اختتام کے ستر سال بعد بھی پاکستان، ہندوستان اور بنگلہ دیش کے موجودہ قانونی نظام کی اساس ہے۔ ذیل میں انھی طریقہ ہائے کار کا جائزہ لیا جائے گا۔

۱۔ قانونی مصادر کا ترجمہ

برطانوی نو آبادیاتی دور میں ہندوستان میں رائج اسلامی قانون کی تبدیلی میں قانونی مصادر کے تراجم کا طریقہ سب سے اہم تھا۔ ۱۷۷۲ء کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی نے فوج داری اور دیوانی معاملات کے لیے برطانوی قاضی اور مجسٹریٹ تعینات کرنے شروع کر دیے، جو مقامی قانون کی زبان (عربی اور سنسکرت) سے ناآشنا تھے۔ مزید یہ کہ ہندوستان میں کوئی ایسا مجموعۂ قوانین نہیں تھا جس سے وہ کسی زیر فیصل مقدمے کے بارے میں قانون سے آگاہ ہوتے۔ اس کے علاوہ انگریز اہل کاروں کے قانون کے بارے میں تصورات یہاں کے رائج شدہ تصورات سے مختلف تھے۔ ان تمام امور کی بنا پر تعینات شدہ افسران کو اپنے فرائض کو سرانجام دینے کے لیے مقامی افراد کا سہارا لینا پڑتا۔[۵] یہ صورت حال برطانوی انتظامیہ کے لیے غیر تسلی بخش تھی۔ اس صورت حال کو بہتر بنانے کے لیے کمپنی نے مقامی نظام سمجھنے کے لیے منظم کوششیں کیں۔ اس سلسلے میں انھوں نے ہندوستان کی مقامی تاریخ سے آگاہی حاصل کی تاکہ وہ مغلوں کے حکومتی انتظام اور تجارتی عرف پر مطلع ہو سکیں۔[۶]

۵۔ مثال کے طور پر دیکھیے: ڈیوڈ اینڈرسن (David Anderson) کی والدین کے ساتھ مراسلت، جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

۶۔ چناں چہ انھوں نے محمد قاسم فرشتہ (۱۵۶۰ء–۱۶۲۰ء) کی تالیف کو انگریزی میں منتقل کرنے کا کام شروع کیا اور ۱۷۶۸ء میں الیگزینڈر ڈو (Alexander Dow) نے یہ کام *History of Hindostan* کے عنوان سے دو جلدوں میں شائع کیا۔ اس کی دوسری اشاعت ۱۷۷۰ء میں ہوئی۔ تیسری جلد، جو دیگر تاریخی مصادر کا ترجمہ تھی، کو ۱۷۷۲ء میں شائع کیا گیا۔ اس

قانونی مصادر کے ترجمے کے سلسلے میں برطانوی حکم ران ایک **مختصر مگر جامع متن** کی تلاش میں تھے جس کا ترجمہ کرکے وہ کسی زیرِ فیصل مسئلے کے بارے میں متعلقہ قانون سے آگاہ ہونا چاہتے تھے۔ اس سلسلے میں مسلم رعایا کے لیے جن متون کے ترجمے کا انتخاب کیا گیا ان میں **ہدایہ**، **سراجی** اور **فتاوی عالمگیری** قابل ذکر ہیں۔ ان تراجم کے قدرے تفصیلی ذکر سے پہلے اس سوال کا جواب دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ترجمے کا یہ عمل کیوں کیا گیا؟

نوآبادیاتی حکام کے مطابق ایسا کرنا ان کی اس سعی کا عکاس تھا کہ مقامی رائج شدہ قوانین (مسلمانوں کے لیے مسلم اور ہندوؤں کے لیے ہندو قانون) کو برقرار رکھا جائے بہ شرطے کہ یہ قوانین برطانوی قانونی تصور "نصفت" (Equity) سے متصادم نہ ہوں۔ چناں چہ بنگال کے پہلے گورنر جنرل وارن ہیسٹنگز (Warren Hastings) نے عدالتی پلان میں مسلمانوں کے لیے ان کا مذہبی قانون اور ہندوؤں کے لیے ان کا مذہبی قانون باقی رکھنے کی بات کی؛[۷] اور ایک مراسلہ جو انھوں نے کمپنی کے ڈائریکٹرز کو بھیجا، اس میں مذہبی قوانین برقرار رکھنے کی وجوہات میں پہلی وجہ یہ بیان کی کہ "یہ سراسر ظلم ہوگا کہ ہندوستان کے مقامی باشندوں سے اس قانون کے تحت سلوک کیا جائے جس کو نا تو وہ جانتے ہیں اور نا ہی اس کو جاننے کے لیے ان کے پاس وسائل ہیں...۔"[۸]

تاہم اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں تھا کہ انھوں نے مقامی قوانین میں تبدیلیاں نہیں کیں بلکہ اس کے برعکس جوں جوں خطے میں طاقت کا توازن انگریزوں کی طرف جھکتا رہا، قوانین میں بڑے پیمانے میں تبدیلیاں کی گئیں جن کا ذکر اگلی سطور میں ہوگا۔

کے علاوہ ۱۷۸۳ء میں فرانسز گلیڈون (Francis Gladwin) نے آئین اکبری کا انگریزی میں ترجمہ کیا، جس میں اکبر کے دور (۱۵۵۶ء– ۱۶۰۳ء) میں نظام حکومت کے بارے میں وسیع معلومات تھیں۔

7– "[A]ll suits regarding inheritance, marriage, and caste, and other religious usages or institutions, the law of the Koran with respect to Mahomedans, and those of the Shaster with respect to Gentoos, shall be invariable be adhered to." See William H. Morley, *The Administration of Justice in British India: Its Past History and Present State* (Calcutta: Williams and Norgate, 1858), 177.

8– "[I]t would be a wanton tyranny to require the obedience of Indians to other laws of which they were wholly ignorant and of which they have no possible means to acquire knowledge." See Ludo Rocher, "Indian Response to Anglo-Hindu law," *Journal of the American Oriental Society* 92, no. 3 (1972): 419-424; M. P. Jain, *Outlines of Indian Legal History* (New Delhi: Wadhwa & Company Nagpur, 2005), 97; Roland Knyvet Wilson, *Anglo-Muhammadan Law: A Digest* (Delhi: Akash Deep Publishing House, 1988), 25.

دوسری وجہ جس کا ذکر ترجمہ شدہ قانونی مصادر میں ملتا ہے، یہ ہے کہ انگریز نو آبادیاتی عہدے داروں کے نزدیک انصاف کی فراہمی صرف اور صرف جج کی قانون تک براہ راست رسائی سے ہی ممکن تھی۔ ساتھ ہی ان حکام کو اس وقت کے عدالتی افسران— جن کے ذمے کسی مقدمے میں پیش آمدہ مسئلے کے بارے میں قانون کا پتا لگا کر ترجمہ کرنے کا فریضہ تھا— پر عدم اعتماد تھا۔ چناں چہ انگریز دور میں ہوئے تراجم کے مقدموں میں مترجمین نے یہی بات کہی ہے۔ ولیم جانز(William Jones)نے **سراجی** کے مقدمے میں ترجمے کی ایک وجہ یہ بیان کی کہ

> مقامی قانون دان افراد کی طرف مستقل رجوع ہمیشہ مشکل اور عدم اطمینان کا سبب ہے کیوں کہ ان کے جواب کی قوت کا انحصار ان کی دیانت داری اور تعلیم پر ہوتا ہے۔ اور اگر بالفرض وہ کسی دباؤ سے محفوظ ہونے کے ساتھ ساتھ کم علم بھی نہیں ہیں، تو عدالت حقیقت میں مقدمے کا فیصلہ نہیں کرتی بلکہ صرف ان آدمیوں کی رپورٹ پر فیصلہ سناتی ہے۔[۹]

ہدایہ کے انگریزی مترجم چارلز ہملٹن(Charles Hamilton)اپنے ترجمے کے مقدمے میں یوں رقم طراز ہیں:

> معزز حضرات جن کا تقرر عدالتی کارروائی کی نگرانی کے لیے ہوا اور ان کے پاس یہ موقع نہ تھا کہ وہ ان لغات پر دسترس حاصل کرتے جس میں قانون موجود تھا، اس بات پر مجبور تھے کہ (مقدموں کے) فیصلے کرتے وقت مقامی افسروں کا سہارا لیں۔ ایسے حضرات اپنی غلط معلومات کی وجہ سے فیصلہ کرنے کے لیے نااہل اور عمومی طور پر رشوت ستانی کے لیے آسان ہدف ہیں۔ اس لیے یہ ضرورت محسوس کی گئی کہ ایسے (قانونی) احکامات کا مجموعہ مرتب کیا جائے جو ان معزز حضرات کو قانون کی جہالت یا مفاد پر مبنی غلط تشریح سے محفوظ رکھتے ہوئے صحیح قانون کی طرف رہ نمائی کرے اور ان کو یہ صلاحیت دے کہ وہ براہ راست ان مصادر کی طرف رجوع کرتے ہوئے فیصلہ کریں جن کی بنیاد پر خود ہندو اور مسلمان فیصلے کرتے ہیں۔[۱۰]

9– "Perpetual references to native lawyers must always be inconvenient and precarious, since the solidity of their answers must depend on their integrity, as well as their learning; and at best, if they be neither influenced nor ignorant, the court will not in truth bear and determine the cause, but merely pronounce judgement on the report of other men…" See: William Jones, "The Mahomedan Law of Succession to the Property of Intestates in Arabick, Engraved on Copper Plates from an Ancient Manuscript with a Verbal Translation and Explanatory Notes," in *The Works of Sir William Jones*, ed. Lord Teignmouth (London: John Stockdale, 1807), 8:162.

10– "The gentlemen who were appointed to superintend the proceedings of the courts, having had no opportunity of studying the languages in which the laws are written, were constrained, in their determinations, to be guided by the advice of the native officers—men sometimes themselves too ill informed to be

قانونی مصادر کے تراجم کا سلسلہ، جس کا آغاز ایک پر جوش تحریک کی صورت میں ہوا، اٹھارویں صدی کے اختتام تک صرف چند ہی مصادر کا ترجمہ کرنے میں کامیاب ہو سکا جن میں سب سے اہم **ہدایہ** کا ترجمہ تھا؛ دیگر قابل ذکر تراجم **سراجی** اور **فتاوی عالمگیری** تھے۔ ان تینوں کا مختصر بیان درج ذیل ہے۔

ہدایہ

ہدایہ حنفی فقہ کی مشہور کتاب ہے جس کو برہان الدین مرغینانی نے بارھویں صدی عیسوی میں تحریر کیا۔ اس کا انگریزی ترجمہ وارن ہیسٹنگز کی ایما پر پہلی بار چارلز ہملٹن نے ۱۷۹۱ء میں کیا۔ انگریزی میں ترجمہ کرنے سے پہلے اس کو فارسی میں منتقل کیا گیا۔ ہندوستان میں قانون کی تبدیلی اور محمڈن لا کی تشکیل میں **ہدایہ** کا انگریزی میں ترجمہ اہم سنگ میل ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس وقت اورنگ زیب عالم گیر کے سترھویں صدی میں مرتب کردہ قوانین کا مجموعہ، **فتاوی عالمگیری**، موجود تھا، جو کہ نا صرف اس عہد کی جدید ترین تحریر تھی بلکہ اس کو ایک مقامی حکم ران کی سرپرستی میں مقامی علما نے مدون کیا تھا۔ **فتاوی عالمگیری** کی موجودگی میں **ہدایہ** کا بہ طور قانونی مصدر کیوں انتخاب کیا گیا؟ اہل علم نے اس کی ایک سے زائد وجوہ بتائی ہیں، تاہم یہاں اس وجہ کا ذکر مناسب ہے جو خود ہملٹن نے **ہدایہ** کے مقدمے میں بیان کی ہے:

> اہل علم، جن سے اس موقع پر مشورہ لیا گیا تھا، کا مزید خیال تھا کہ برطانوی حکم رانوں کے لیے مناسب نہیں ہو گا کہ وہ مسلم قانون کے بارے میں (عمومی) تصور (اس مصدر سے) حاصل کریں جس میں صرف مثالیں (یعنی فروع) ہوں جیسے **فتاوی عالمگیری** میں ہے... کوئی مزید قدم بڑھانے سے پہلے کسی ایسے کام کا ترجمہ ہونا چاہیے جس کے ایک ہی صفحے میں حکم اور اس کے اصول جمع ہوں اور وہ کام ایک ہی وقت میں مثال اور اس کے اصول کی طرف رہ نمائی کرنے والا ہو۔ اس مقصد کے پیش نظر انھوں نے **ہدایہ** کے ترجمے کو تجویز کیا کیوں کہ اس کو خاص طور پر تمام ہندوستان میں قانونی سند کے طور پر مانا جاتا ہے اور وہ تمام مذکور خوبیاں جو مطلوب ہیں اس میں پائی جاتی ہیں۔[11]

---

capable of judging, and generally open to corruption.— Hence appeared the necessity of procuring some certain rule [sic.] whereby those gentlemen might be guided, without being exposed to the misconstructions of ignorance or interest, and which might enable them to determine for themselves, by a direct appeal to Mussulman or Hindoo authority on the ground of which they were to decide." See: Burhan al-Din al-Marghinani, *The Hedaya or Guide: A Commentary on Mussulman Laws*, trans. Charles Hamilton (London: T. Bensley, 1791), vii.

11– "Some learned Mohammedans, who were consulted on this occasion, thought it, moreover, unfair that their British rulers should receive their first impression of

جہاں تک ترجمے کا تعلق ہے تو ہملٹن نے واضح طور پر لکھا ہے:

> جب کوئی انگریز مترجم اس متن کا موازنہ عربی متن سے کرے گا تو یہ جان لے گا کہ سوائے چند مقامات کے... یہ متن اصل کا صحیح ترجمہ ہے... چند مقامات پر انحراف اس نوعیت کا ہے کہ وہ کاتبوں سے غلط لکھا گیا... ایک مقام پر (اہل فن) نے اختلاف اس بنا پر کیا کہ یہ مؤلف کی غلطی ہے۔[۱۲]

ہدایہ کی اہمیت کے بارے میں انگریز شروع سے آگاہ تھے۔ ۱۷۸۶ میں فرانسز گلیڈون نے *Epitome of Mohammedan Law* جو کہ فارسی کتاب **مرآۃ مفاعل** کے منتخب حصوں کا خلاصہ تھی، کے مقدمے میں لکھا ہے۔

> چوں کہ یہ کتاب محمڈن لا کے بارے میں عمومی تصور کو پیش کرتی ہے — جس کے بارے میں اب تک ہم بہت کم جانتے ہیں — اس لیے یہ عوام کے لیے اس وقت تک قابل قبول ہو سکتی ہے جب تک وہ **ہدایہ** کے عظیم کام سے متنعم نہ ہو جائیں جس کا انگریزی ترجمہ مسٹر جمیز اینڈرسن اور کیپٹن ہملٹن براہِ راست ہیسٹنگز کی سرپرستی میں کر رہے ہیں۔[۱۳]

---

the Mussulman legislation from a bare recital of examples, such as composed the Fattawee Allumgheeree ... previous to any further step, a translation should be executed of some work which, by comprehending, in the same page, the dictum and the principles, might serve at once as an exemplary and an instructor; and for this purpose they recommended al-Hidayah, because of its being regarded (particularly throughout Hindostan) as of canonical authority, and uniting, in an eminent degree, all the qualities required." See: Ibid, xliv.

12– "When the English translator came to examine his text, and compare it with the original Arabic, he found that, except for a number of elucidatory interpolations, and much unavoidable amplification of style, it in general exhibited a faithful copy, deviating from the sense in but a very few instances, in some of which the difference may perhaps be justly attributed to the inaccuracy of the transcribers; and in one particular it is avowed and justified by the Molovees, because of an alleged error of the author. Many of the interpolations are indeed superfluous, and they sometimes exceed, both in length and frequency, what could be wished." See: Ibid, xlv.

13– "As it conveys a general idea of Mohammedon law, of which we are at present but little informed, it may prove acceptable to the publick [sic.], till such time as they shall be favoured with that noble work the *Hedyah*, which has been translated into English by Mr. James Anderson and Captain Hamilton, under the immediate patronage of Mr. Hastings. (Francis Gladwin (trans.), *An Epitome of Mohammedan Law Translated from the Original Persian* (Calcutta: William Mackay, 1786), v.

سراجی

شیخ سراج الدین سجاوندی کی میراث پر مشہور تالیف **الفرائض السراجیة (سراجی)** اور اس کی شرح، جو سید شریف جرجانی نے کی، کو ہیسٹنگز کے حکم سے مولوی محمد قاسم نے فارسی میں ترجمہ کیا اور اس ترجمے کو پیش نظر رکھتے ہوئے لسانیات کے مشہور ماہر سر ولیم جونز نے **سراجی**[۱۴] کے منتخب حصوں[۱۵] کو انگریزی زبان میں منتقل کر دیا۔ ترجمہ کرنے کی مشکلات کا ذکر جونز نے کچھ ایسے کیا:

> جب یہ کہنا ہے کہ بہت زیادہ تلخیص کی کوشش نے **سراجیہ** میں ابہام پیدا کیا ہے، قاری پر یہ بات بھی عیاں ہونی چاہیے کہ ہر مصنف کو لازمی طور پر اس بڑی دقت کا سامنا ہوتا ہے جب اس کی تحریر کا لفظی ترجمہ کیا جائے، خاص طور پر جب اس (مصنف) کی زبان اور محاورہ مترجم کی زبان سے بالکل مختلف ہو، اور جب اس کے فن کی مصطلحات کو سہولت پیدا کرنے کے لیے لازمی طور پر نئے الفاظ کے ساتھ ترجمہ کیا جائے، اور جب وہ نظام جس کا تعارف مترجم نے اپنے ہم وطنوں سے کرانا ہو، اس کی نظیر کسی اور ایسے نظام میں نہ ملے جسے دنیا کبھی جانتی ہو۔[۱۶]

فتاویٰ عالمگیری

فتاویٰ عالمگیری کو اصل میں عربی زبان میں تحریر کیا گیا تھا لیکن اس کے فارسی ترجمے کے لیے کوششیں جلد ہی شروع ہو گئیں۔ **مرآۃ العالم** میں ہے کہ عبد اللہ چلبی رومی، جو کہ ایشیا کوچک کے عالم تھے، اپنے شاگردوں کے ساتھ اس کام پر مامور کیے گئے۔[۱۷] کیا یہ منصوبہ مکمل ہوا یا نہیں، اس کا جواب معلوم نہ ہو سکا اور نہ ہی ان کے ترجمے کا کوئی مسودہ دست یاب ہو سکا۔ ایک اور روایت کے مطابق اورنگ زیب کی دختر زیب

14– William Jones, *The Mahomedan Law of Inheritance with A Commentary*, ed. Shamachurn Sircar (Calcutta: Sanskrit Press, 1861).

15– Ibid, 2.

16– "[W]hen it is admitted that a desire of extreme brevity has often made the Sirajiyyah obscure, the reader should in candour allow that every author must appear to great disadvantage in a literal translation, especially when his own idiom differs totally from that of his translator, when his terms of art must be rendered by new words, which use alone can make easy, and when the system which he unfolds to his countrymen, has no resemblance to any other, that the world ever know." See: Ibid, 1.

۱۷– محمد بختاور خان، **مرآۃ العالم: تاریخ اورنگزیب**، تصحیح: ساجدہ علوی (لاہور: ادارۂ تحقیقات پاکستان، دانش گاہ پنجاب، ۱۹۷۹ء)، ۳۸۸۔

النساء نے **فتاویٰ عالمگیری** کے فارسی ترجمے کا حکم صادر کیا تھا۔(۱۸)

اٹھارویں صدی عیسوی میں جب برطانوی اہلکار مسلم قوانین کے جمع اور تدوین کے مرحلے سے گزر رہے تھے تو انھیں **فتاویٰ عالمگیری** کا عربی میں مکمل متن اور اس کا خام اور نامکمل فارسی ترجمہ کلکتہ کی عدالت میں ملا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صدر قاضی محمد نجم الدین خان کے پاس فارسی میں مکمل ترجمہ موجود تھا۔

فتاویٰ عالمگیری کے منتخب حصوں کا انگریزی میں ترجمہ انیسویں صدی میں نیل بیلی (Neil B. E. Bailli) میں کیا۔ انھوں نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ مسلم رعایا کے لیے ایسٹ انڈیا کمپنی نے دیوانی عدالتوں کے لیے **فتاویٰ عالمگیری** کے بجائے **ہدایہ** کو مرکزی قانونی مصدر تسلیم کیا حالاں کہ **عالمگیری** کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ نہ صرف اس کو ہندوستان میں مرتب کیا گیا بلکہ یہ کاوش ایک مسلم حکم ران کی سرپرستی میں کی گئی۔(۱۹) **فتاویٰ عالمگیری** کا اردو میں ترجمہ انیسویں صدی کے اختتام پر سید امیر علی نے کیا۔

۲- قانون سازی

برصغیر میں صدیوں سے رائج قوانین کی تبدیلی میں سب سے مؤثر ذریعہ قانون سازی کا تھا۔ اپنے اقتدار کے ابتدائی ایام میں برطانوی حکم ران ایسے قواعد و ضوابط (Regulations) بنانے لگے جو نافذ العمل قانون کے مندرجات اور نفاذ پر اثر انداز ہوتے رہے۔ یہ اثر و نفوذ ریگولیشنز کی نسخ کرنے کی قوت کا مرہون منت تھا چناں چہ اِن ریگولیشنز کو، اُن امور جن سے یہ متعلق تھے، دوسرے قوانین کا ناسخ قرار دیا گیا۔

اگرچہ برطانوی حکم ران نے اس بات کا کئی بار اعادہ کیا کہ یہاں کی مقامی آبادی سے اسی خطے میں رائج شدہ قوانین کے مطابق تعامل کیا جائے گا اور اس پر عمل پیرا ہونے کے لیے قانونی مصادر کے ترجمے کا سلسلہ شروع بھی ہوا، تاہم اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ انھوں نے رائج شدہ قانون میں مداخلت نہیں کی۔ چناں چہ جے۔ ایچ۔ ہارنگٹن (J. H. Harington) نے انیسویں صدی کی پہلی دو دہائیوں میں بنگال میں نافذ قوانین کا تجزیہ کیا، اس تجزیے کے ایک حصے میں ہارنگٹن نے ان تبدیلیوں اور اضافوں کا ذکر بھی کیا جو برطانوی

18– Shama Churun Sircar, *The Muhammadan Law: Being A Digest of the Law Applicable Especially to the Sunnis of India*(Calcutta: Thacker, Spink and Co., 1873) 56.

19– Neil B. E. Baillie, *A Digest of Moohummudan Law on the Subjects to which it is Usually Applied by British Courts of Justice in India* (London: Smith, Elder & Co., 1875), xii.

حکومت نے رائج شدہ مسلم فوج داری قوانین میں کیے تھے۔ انھوں نے بار بار اس خط و کتابت کا ذکر کیا جو ہیسٹنگز اور چارلس کارنوالس (Charles Cornwallis) کے درمیان میں ہوئی جس میں فوج داری قوانین کے ان پہلوؤں کا ذکر ہے جو ان حضرات کے نزدیک ناقص تھے۔[۲۰]

بنگال کے پہلے گورنر جنرل ہیسٹنگز کے یہاں سے چلے جانے کے بعد ترجمے کا سلسلہ بھی خاتمے کی طرف بڑھنے لگا۔ یہاں تک کہ دوسرے گورنر جنرل کارنوالس نے صراحت کے ساتھ اصلاحات اور ریگولیشنز کی باقاعدہ اشاعت کو خطے میں برطانوی اثر و رسوخ بڑھانے کے لیے ضروری قرار دیا۔ ۱۷۹۳ء میں جاری کردہ ریگولیشنز کے مقدمے میں وہ لکھتے ہیں:

> بنگال میں برطانیہ کے اثر و نفوذ کے پھلنے اور پھولنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ تمام حکومتی منظور شدہ ریگولیشنز جن سے رعایا کے حقوق، جائیدادیں اور شخصی حیثیتیں متاثر ہوتی ہیں، کو ایک مستقل مجموعے (کوڈ) میں لایا جائے اور اس کا ترجمہ کروا کر چھاپہ جائے... ایسا مجموعہ لوگوں کو یہ موقع فراہم کرے گا کہ وہ (متعلقہ) قانون سے آگاہ ہوں، نیز وہ ان طریقوں سے بھی واقف ہو سکیں کہ ان کے حقوق پر قدغن کی صورت میں اس کا ازالہ کیسے کیا جا سکتا ہے... (دوسری طرف) عدالتوں کو یہ مجموعے قانون کے مقاصد کے تحت اس کا نفاذ کرنے میں معاون ہوں۔[۲۱]

اسی دوران اہلِ افادیت (Utilitarianists) نے ہندوستان میں قانون کی تدوین کے سلسلے میں

۲۰۔ مثال کے طور پر ان دونوں حضرات نے دیت کے نظام پر عدم اطمینان کا اظہار کیا اس کے بارے میں ہیسٹنگز کا موقف تھا کہ قتل معاف کرنے کا حق ریاست کا ہے جب کہ کارنوالس اس بات سے شاکی تھے کہ اس سے مجرم سزا سے بچ جاتا ہے۔ ہارنگٹن نے ان تبدیلیوں کا ذکر کیا ہے جو ۱۷۷۳ کے ریگولیشنز نے کیں۔ ان میں قابلِ ذکر قتل کی سزا اور دروغ بیانی (Perjury) تھیں۔

See: John Herbert Harington, *An Elementary Analysis of the Laws and Regulations Enacted by the Governor General in Council at Fort William in Bengal for the Civil Government of the British Territories under that Presidency* (Calcutta: Honorable Company's Press, 1805), 1: 341–369.

۲۱۔ ملاحظہ ہو مقدمہ، A.D. 1793.Regulation XLI

"It is essential to the future prosperity of the British territories in Bengal, that all Regulations, which may be passed by government, affecting, in any respects, the rights, persons, or property of their subjects, should be formed into a regular code; and printed with translations in the country languages... A code of regulations framed upon the above principles will enable individuals to render themselves acquainted with the laws ... and the mode of obtaining speedy redress against every infringement of them; the courts of justice will be able to apply according to their true intent and import...

تکمیل شدہ کاموں کو ہدفِ تنقید بنایا۔ اگرچہ ان کی تنقید کا تفصیلی جائزہ موجودہ تحریر کے احاطے سے باہر ہے تاہم یہاں جیمز مل (James Mill) کا ترجمے پر مبنی کاموں کے بارے میں تبصرے کا ایک اقتباس نقل کیا جاتا ہے:

... یہ ڈھیلے، مبہم، غیر معقول اقتباسات اور قواعد پر مشتمل غیر مرتب مجموعے جن کا انتخاب — کسی نظام کے بغیر — قانون، عبادات اور شاعری کی کتب مع ان کی شروحات سے ہوا، جنھوں نے صرف اور صرف مزید ابہام اور الجھن کو جنم دیا۔ ایسا ملغوبہ جس میں کوئی چیز متعین یا ثابت نہیں ہوتی اور عدل گستری کے بارے میں کوئی قابل ذکر مدد فراہم نہیں ہوتی۔[۲۲]

اہلِ افادیت قانون کی تدوین کے حامی تھے تاہم ان کے نظریے کے تحت منظم طور پر کام ہندوستان میں لا کمیشن کی تاسیس سے ہوا۔

لا کمیشن ۱۸۳۴ء کی تاسیس

۱۸۳۳ء میں برطانوی پارلیمان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے چارٹر پر نظر ثانی کی گئی۔ بحث میں حصہ لیتے ہوئے تھامس میکالے (Thomas B. Macauly) نے ہندوستان کے قوانین کی نئی طرز پر تدوین پر زور دیا تاکہ اس کے ذریعے متعلقہ رائج شدہ قوانین کا خاتمہ کیا جا سکے۔ ان کے نزدیک رائج شدہ قوانین کی کثرت ابہام اور غیر یقینی کیفیت کے ذمے دار تھے۔ ان کے خیال میں ایسی صورت حال میں قانون کے بارے میں قاضیوں کی شخصی آرا نے جنم لیا جو کسی قدغن کی عدم موجودگی میں انصاف کے تقاضوں کے خلاف تھیں۔[۲۳]

22– James Mill, *The History of British India* (London: Baldwin, Cradock, and Joy, Paternosker Row, 1817), 3:341.

۲۳– ”میرے خیال میں کوئی بھی ملک ہندوستان سے زیادہ قانون کی تدوین کا محتاج نہیں۔ اور میرا نہیں خیال کہ ہندوستان کے علاوہ کوئی ایسا خطہ ہے جس کی اس ضرورت کو اتنی آسانی سے پورا کر لیا جائے۔ (میکالے نے مزید بات جاری رکھتے ہوئے کہا کہ) مقامی آبادی کا اپنا قانون ہے۔ فاتحین اپنا قانونی نظام ساتھ لائے... مسلمان اپنے قرآن اور بے شمار تفاسیر کے ساتھ، انگریز اپنی قانون کی کتب اور ٹرم رپورٹوں کے ساتھ ... پھر یہ مختلف نظام اس طرح گڈمڈ ہو گئے کہ قانون میں ابہام اور تعارض پیدا ہوا اور قاضیوں کی شخصی آرا نے جنم لیا، جس کی ہر صورت مخالفت کی جانی چاہیے۔ قاضی کا وضع کردہ قانون جہاں (ہندوستان نا کہ انگلستان کی) صواب دیدی حکومت اور اخلاقی زبوں حالی ہے ... ایک لعنت اور رسوائی ہے جسے برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ وقت آ گیا ہے کہ مجسٹریٹ کو معلوم ہو کہ اس نے کون سا قانون نافذ کرنا ہے اور محکوم کو پتا ہو کہ وہ کس قانون کے تحت رہ رہا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہندوستان کے باشندے ایک ہی قانون کے تحت رہیں... یہ ناقابل حصول ہے... ہمارا مقصد قانون میں یکسانیت کا حصول ہے جہاں تک ممکن ہو، اور

میکالے کا یہ کہنا تھا کہ عوامی حکومت (جیسے انگلستان میں تھی) کے برخلاف صواب دیدی حکومت (جیسے ہندوستان میں برطانیہ کی تھی)، مدون شدہ قانون (Codified Law) سے فوائد حاصل کرنے کے لیے انتہائی موزوں تھی: "ایک بڑی عوامی مقننہ طبیعت کے لحاظ سے ہی تقسیم شدہ ہوتی ہے اور اس میں سخت مخالفین ہوتے ہیں۔ یہی امر غیر تحریری قانون کی تدوین کے لیے مشکل پیدا کرتا ہے اس کے برعکس یہ کام بہ آسانی دو یا تین تجربہ کار قانون دانوں کی مدد سے خاموشی سے سرانجام پاتا ہے۔"[۲۴]

اسی سال چارٹر ایکٹ منظور ہوا اور میکالے کو گورنر جنرل کی کونسل کا قانونی ممبر بنایا گیا۔ ساتھ ہی لا کمیشن کی تاسیس ہوئی اور اس کی سربراہی بھی میکالے کو سونپی گئی۔ لا کمیشن کے مقاصد میں بنیادی مقصد پورے ہندوستان کے لیے ممکنہ حد تک جامع اور یکساں قوانین کی تدوین تھی۔

لا کمیشن کے سرپرستی میں قوانین کی تدوین نے رائج شدہ اسلامی مقامی قوانین پر کیا اثر ڈالا؟ اس کا مطالعہ ان دو عناوین: (۱) فوج داری قوانین (۲) دیوانی اور اضافی قوانین کے تحت مناسب معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ فوج داری قوانین

۱۸۳۴ء میں میکالے نے تعزیرات ہند کے بارے میں ابتدائی رپورٹ لکھی[۲۵] جس میں قوانین کی کثرت سے پیدا شدہ تضاد اور ابہام کی موجودگی اور تقنین شدہ قانون کی قاضی کے وضع کردہ قانون پر فوقیت کی بات کی گئی۔ انھوں نے ہندوستان میں بیرونی قوانین کی آمد اور ایک دوسرے کو تنسیخ کرنے کے اثرات پر بھی بات کی اور اس وقت کے فوج داری قانون کو علاقے کے لیے غیر موزوں قرار دیتے ہوئے اور ایک نئے قانونِ تعزیرات کو متعارف کروانے کی ضرورت پر زور دیا۔ ایسا قانون جس کے احکامات واضح ہوں اور اس وضاحت کے لیے تمثیلات کا استعمال ہو۔ اگرچہ اس رپورٹ میں انگریزی نظام قانون کو نظیر کے طور پر استعمال کرنے کی مخالفت کی گئی تاہم میکالے مقامی حالات کا لحاظ رکھتے ہوئے کوئی قانون تجویز نہ کر سکے۔ اپنے وضع کردہ قانون کے لیے انھوں نے ان دو اہم امور کا لحاظ رکھا: یہ قانون کسی عقیدے سے متعارض نہ ہو اور یہ آفاقی اصول

تنوع کی موجودگی جہاں یہ ضروری ہو، لیکن ہر صورت میں (قانون کے تعین میں) قطعیت ہو۔"

Thomas B. Macaulay, "A Speech Delivered in the House of Commons on the 10th of July, 1833" in *The Works of Lord Macaulay*, ed.Trevelyan (New York: Longmans, Green, and Co.,1897), 8:137.

۲۴۔ نفس مرجع، ۱۳۹۔

25– Introductory Report upon the Indian Penal Code.

قانون سے مستنبط ہو۔

فوج داری کا مجوزہ قانون ۱۸۳۷ء میں تحریر کیا گیا تاہم یہ طویل عرصے تک ایک تجویز ہی رہا اور مختلف حکومتی سطحوں پر ۲۰ سال کے عرصے میں منظور کیا گیا۔[۲۶] تعزیرات ہند کی تسوید، ترامیم، نفاذ اور اثرات ایک وسیع موضوع ہے جو موجودہ تحریر کے احاطے سے باہر ہے۔[۲۷]

ب۔ دیوانی و دیگر قوانین

میکالے کے کام کو ہی بنیاد بناتے ہوئے دیوانی قوانین وضع کیے گئے۔ چوں کہ کمپنی نے نیا عدالتی نظام متعارف کروایا تھا اور اس کو دیوانی معاملات سے سابقہ تھا اس لیے قدرتی طور پر سب سے پہلے ۱۸۵۹ء میں قانون ضابطہ دیوانی (Code of Civil Procedure) اور معیادِ سماعت ایکٹ (Limitation Act) کا نفاذ ہوا۔

۱۸۶۳ء میں ہنری مائن (Henry J. S. Maine) گورنر جنرل کونسل کے قانونی ممبر بنائے گئے ان کی اور ان کے بعد آنے والے قانونی ممبران کی نگرانی میں اتنی کثرت سے قانون سازی ہوئی کہ اس عرصے کو اگر "قوانین کی برسات" سے معنون کیا جائے تو مبالغہ نہ ہو گا۔ موصوف کی سرپرستی میں ہند وراثت ایکٹ، ۱۸۶۵ء (Indian Succession Act)، شادی ایکٹ، ۱۸۶۶ء (Marriage Act)، کمپنیز ایکٹ، ۱۸۶۶ء (Companies Act)، General Clauses Act 1868، قانون طلاق ۱۸۶۹ء (Divorce Act) بنائے گئے۔ مائن کے بعد جیمز فٹز جیمز اسٹیفن (James Fitzjames Stephen) (قانونی ممبر گورنر جنرل کونسل: ۱۸۶۹ء تا ۱۸۷۲ء) نے معیادِ سماعت ایکٹ ۱۸۷۱ء، قانون شہادت، ۱۸۷۲ء (Evidence Act)، قانون معاہدہ، ۱۸۷۲ء (Contract Act)، قانون ضابطہ فوج داری اور قانون شادی کے نئے ایڈیشن کے اجرا میں سرپرستی کی۔ آرتھر ہوب ہاوس (Arthur Hobhouse) (قانونی ممبر: ۱۸۷۲ء تا ۱۸۷۷ء) نے European Minors Code, 1874 اور قانون دادرسی مختص

۲۶۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ انگلستان میں بھی اسی وقت ایک شاہی لا کمیشن بنایا گیا تھا تاہم اس کا دائرۂ کار فوج داری قوانین تک محدود تھا۔ اس کمیشن کو شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا اور فوری طور پر کوئی قابل ذکر کام پیش نہ کر سکا۔

۲۷۔ ملاحظہ ہو:

Wing-Cheong Chan, Barry Wright and Stanley Yeo, eds., *Codification, Macaulay and the Indian Penal Code: The Legacies and Modern Challenges of Criminal Law Reform* (London: Routledge, 2011).

۱۸۷۷ء (Specific Relief Act) کا اضافہ کیا۔ ان کے بعد وائٹلی سٹوکز (Whitley Stokes) (قانونی ممبر: ۱۸۷۷ء تا ۱۸۸۲ء) کی سربراہی میں قابل خرید وفروخت دستاویزات ایکٹ، ۱۸۸۱ء (Negotiable Instrument Act)، ہندوستان وقف ایکٹ، ۱۸۸۲ء (Indian Trusts Act)، قانون انتقال جائیداد، ۱۸۸۲ء (Transfer of Property Act)، ہند سہولیات ایکٹ، ۱۸۸۲ء (Indian Easement Act) اور دیگر قوانین کا اجرا ہوا۔ کورٹنی البرٹ (Courtney P. Ilbert) (قانونی ممبر: ۱۸۸۲ء تا ۱۸۸۶ء) کی سرپرستی میں بنگال کرایہ داری ایکٹ، ۱۸۸۵ (Bengal Tenancy Act) اور ترمیم شدہ قانون ضابطہ فوج داری پاس کیا گیا۔ البرٹ ہی کی کوششوں سے فریڈرک پولک (Frederick Pollock) نے قانون ٹارٹ (Tort) پر مشہور جامع کتاب لکھی جسے ہندوستان کی مقننہ نے کبھی منظور نہیں کیا۔[۲۸]

قانون سازی کی اس برسات نے قاضی اور دیگر افسران کو مشقت میں ڈال دیا۔ انھوں نے اس امر کی شکایت کی کہ ان کا تمام وقت قوانین کے مجوزہ بلوں کو پڑھنے اور ان پر تنقید کرتے ہوئے صرف ہو جاتا ہے۔ اس لیے جب البرٹ کو ۱۸۸۲ء میں قانونی ممبر برائے گورنر جنرل کونسل بنایا گیا تو ان کو ہدایات دی گئیں کہ وہ قوانین کی تدوین میں جلد بازی سے محتاط رہیں۔[۲۹]

۳۔ عدالتی فیصلے اور ان کا نفاذ

بنگال میں دیوان سنبھالنے کے بعد کمپنی کو باقاعدہ طور پر عدل گستری کی ذمہ داری اٹھانا پڑی۔ اس سے پہلے کمپنی رائج شدہ نظام عدل میں اپنے تجارتی مفادات کے حصول اور تحفظ تک دلچسپی لیتی تھی۔ دیوان سنبھالنے کے بعد دو اہم تبدیلیاں رونما ہوئیں: اوّل، کمپنی کو ہندوستان میں حکومتی اختیارات حاصل ہوئے؛ دوم، انگلستان کی پارلیمان نے کمپنی کا رخ بہ طور تجارتی اور منافع بخش ادارے سے حکومتی اور انتظامی ادارے کی جانب کر دیا۔

۲۸۔ ملاحظہ ہو:

Journal of the Society of Comparative Legislation 1, no. 3 (Dec., 1899), 465-471.

۲۹۔ دیکھیے:

C. P. Ilbert, “Indian Codification,” *The Law Quarterly Review*, 5, no. 20 (1889) 360, بحوالہ Guenther, “Syed Mahmood and the Transformation”, 259-60.

اپنی تعیناتی کے ابتدائی ایام میں برطانوی ججوں نے مقامی قانونی افسران پر انحصار کیا، جو کسی مقدمے سے متعلق قانون کو اپنے دینی متون میں تلاش کرنے میں معاونت کرتے۔[۳۰] تاہم جوں جوں وقت گزرتا گیا انتظامی کونسل نے ریگولیشنز میں اضافہ کرنا شروع کر دیا۔ اب ججوں نے قانونی افسران پر انحصار کرنے کے بجائے اپنے آپ سے ریگولیشنز کی تشریح کرنا شروع کر دی۔ دوسری طرف عدالتی نظائر کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس سلسلے میں اہم دستاویز ولیم میکناٹن (W. H. Macnaghten) کی کتاب *Principles and Precedents of Moohummadan Law* تھی، جو ۱۸۲۵ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب پچھلے کاموں کے برعکس نہ تو کسی متن کا ترجمہ تھی اور نہ ہی اس میں ہندوستان میں رائج قوانین کا تاریخی یا حالیہ طور پر مطالعہ کیا گیا تھا، بلکہ اس میں مسلم قانون کے ان اصولوں کا ذکر تھا جن سے تعامل میکناٹن کو براہ راست بہ طور جج فرائض کی انجام دہی کے دوران ہوا۔ اس کتاب میں انھوں نے عدالت کے فیصلے، جو ان کے ماتحت کام کرنے والے مفتیان اور قضاۃ (قانونی افسران) کی مدد سے تحریر کیے گئے تھے، کو جمع کیا۔ ولیم سلون (William Sloan) نے اس کی دوسری اشاعت کے مقدمے میں لکھا کہ یہ کتاب اسلامی قانون کے خطے میں نفاذ کے سلسلے میں ایک محفوظ ترین راستہ ہے کیوں کہ یہ تاج (برطانیہ) اور مفصل عدالتوں کی غیر متنازع اتھارٹی ہے، اس لیے کہ اس میں مذکور اصولوں کی صحت ان دلائل سے ماخوذ ہے جو بے شمار فتاویٰ میں پائے جاتے ہیں جن کا مفتیوں اور قاضیوں نے اجرا کیا ہے؛ ان حضرات کی زندگیاں قانون کے مطالعے میں گزر گئی ہیں۔ اگرچہ اس کتاب کی تدوین میں مسلم اہل فقہ نے کلیدی کردار ادا کیا تاہم اس کی تدوین کے بعد عدالتوں میں ان کے مرکزی کردار کے طور پر کام کرنے کے معاملے پر ضرب لگی کیوں کہ اب برطانوی جج کے پاس فیصلہ کرنے کے لیے فوری

۳۰- ڈیوڈ اینڈرسن، جو مرشد آباد میں کمپنی کے سیاسی ایجنٹ سمیول میڈیلٹن (Samuel Middleton) کا معاون تھا اور اس کے ذمے عدالتی کارروائی چلانے کی اضافی ذمہ داری تھی، نے اپنے والدین کے نام ایک خط میں اس ذمہ داری کے بارے میں یوں لکھا ہے۔ ”جیسا آپ سمجھ رہے ہوں گے، اس عہدے کے لیے بہت زیادہ علم حاصل کرنا درکار نہیں ہے۔ عدالتی فیصلے مسلم اور ہندو قوانین کے مطابق کیے جاتے ہیں۔ میرے پاس ہمیشہ تین چار اہل علم حضرات دست یاب ہوتے ہیں جو متعلقہ قانون کو تلاش کرتے ہیں۔ جب کسی حالت سے متعلق قانون نہ ملے تو پھر میں اپنے نزدیک نصفت (Equity) کے قواعد کو بروئے کار لا کر کسی فیصلے پر پہنچتا ہوں۔ فریقین کا یہ یقین برقرار رکھنے کے لیے کہ فیصلے میں کسی غلطی کا ازالہ کیا جا سکتا ہے، ان کو فیصلے کے خلاف صدر اور کونسل میں اپیل کرنے کا حق رہتا ہے۔ اس نوکری نے میرے لیے کئی مشکلات پیدا کی ہیں مگر اس نے علاقے پر میرے اثر و رسوخ میں اضافہ کیا ہے...۔“

دیکھیے: Guenther, “Syed Mahmood and the Transformation”, 208.

مرجع(Ready Reference)دست یاب ہو گیا اور وہ مقامی اہل قانون کے محتاج نہ رہے۔

ہندوستان میں برطانوی قاضیوں کی تعیناتی نے عدالتی نظائر (Precedents) کو قانونی حیثیت دلوانے میں مرکزی کردار ادا کیا۔ اگرچہ عدالتی نظائر کے مدمقابل قانون سازی، مسلسل نظائر کی قانونی حیثیت کو چیلنج کرتی رہی۔ اعلیٰ عدالتوں (High Courts) اور اپیل والی کورٹ (Privy Council) کے فیصلے ریکارڈ کر کے چھاپے گئے تاکہ قاضیوں اور وکلا کی رہ نمائی کر سکیں۔

انصاف، نصفت اور حسن نیت (Justice, Equity and Good Conscience)[۳۱]

کسی متعین قانونی ہدایت کی عدم موجودگی میں متعلق صاحب اختیار "انصاف، نصفت اور حسن نیت" سے فیصلہ کرے گا، یہ قاعدہ شروع ہی سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے چارٹرز میں موجود تھا۔[۳۲] اس قاعدے کی اصل — جیسے انگریز قانون دان سمجھتے تھے — مذہبی قانون روما میں تھی اور انگلستان میں اس کا استعمال رائج شدہ قانون عام (Common Law) اور نصی قانون سے خروج کے لیے کیا جاتا تھا۔ بنگال، بہار اور اڑیسہ کے دیوان کے حصول کے بعد جب کمپنی نے قوانین کا اجرا کرنا شروع کیا تو اس قاعدے کا ذکر ان میں بھی آنے لگا۔ چناں چہ ۱۷۸۱ء کے ریگولیشنز کی شق ۶۰، جو دیوانی عدالتوں سے متعلق تھی، میں اس امر کی صراحت کی گئی کہ "ہر وہ مقدمہ جو مفصل دیوانی عدالت کے دائرۂ سماعت میں ہے اور اس کے بارے میں کوئی متعین قانونی ہدایت نہیں ہے، اس کا فیصلہ کرتے وقت متعلق جج انصاف، نصفت اور حسن نیت سے کام لیں گے۔"[۳۳] ریگولیشنز کی شق ۹۳ میں یہی ہدایت صدر دیوانی عدالت کے لیے بھی تھی۔[۳۴]

31– J. Duncan M. Derrett, "Justice, Equity and Good Conscience" in *Changing Law in Developing Countries*, ed. J. N. D. Anderson (London: George Allen & Unwin Ltd., 1963), 114-153.

۳۲– دیکھیے:

Sir Charles Fawcett, *The First Century of British Justice in India* (Oxford: Clarendon Press, 1934), 23, 95, 119, 134, 173.

33– "That in all cases, within the jurisdiction of the Mofussil Dewannee Adaulut, for which no specific Directions are hereby given, the respective Judges thereof do act according to Justice, Equity and good Conscience."

34– "That in all cases, for which no specific Directions are hereby given, the Judge of Sudder Dewannee Adaulut do act according to Justice, Equity and good Conscience."

بہ ظاہر اس ضابطے کا ذکر جج کو ان مقدموں میں مدد فراہم کرنا تھا جہاں پر قانون مبہم یا خاموش تھا مگر جلد ہی یہ انگریزی قانون عام کے ضوابط کو ہندوستان میں نافذ کرنے کا ذریعہ بن گیا۔ صدر دیوانی عدالت، جو کہ مرافعے کی عدالت تھی، میں تعینات انگریز جج انگریزی قانون ہی سے آشنا تھے اور اس قاعدے کے استعمال میں ان کا رجوع اسی قانون کی طرف تھا۔ یوں انگریزی قانون عدالتی فیصلوں کے ذریعے ہندوستان میں نافذ ہونے لگا۔ چناں چہ ہند کے سیکٹری آف اسٹیٹ لارڈ سالسبری (Lord Salisbury) نے ہند میں رائج قوانین کی تدوین کی ضرورت کو اس لیے اہم قرار دیا کیوں کہ انگریزی قوانین ججوں کی سرپرستی میں ہندوستان آنے لگے تھے، جو کہ ایک غیر مطلوب عمل تھا۔[۳۵]

۴۔ مسلم قوانین کی درسی کتب

شریعت کا انگریزی قانون کے تناظر (Framework) میں نفاذ اور اس سے آگاہی میں اہم کردار مسلم قوانین کی درسی کتب کا رہا۔ ان کتب کے مؤلفین وہ افراد تھے جو بنیادی طور پر برطانوی قانون کا پس منظر رکھتے تھے۔ ان کی تحریروں کے براہ راست مخاطبین وہ حضرات تھے جو ہندوستان میں تبدیل شدہ قانونی صورت حال سے آگاہ ہونا چاہتے تھے، جو برطانوی مداخلت سے پیدا ہوئی تھی۔ اینگلو محمڈن لا کی اصطلاح جو ان کتب کے عناوین میں تھی، اس امر کی عکاس تھی کہ یہ شریعت کو انگریزی قانون کے تناظر میں پیش کرتی تھیں۔ ان کے مصادر میں وہ عدالتی فیصلے تھے جو ہندوستان میں برطانوی عدالتوں یا مرافعے میں پریوی کونسل نے فیصل کیے تھے۔ جلد ہی یہ کتب نہ صرف طلبہ میں متداول ہوئیں بلکہ یہ وکلا اور ججوں کے لیے مرجع بھی بن گئیں۔

مسلم قانون پر درسی کتب کی فہرست میں اولین کتاب ولیم میکناٹن کی *Principles and Precedents of Moohummadan Law* تھی جس میں عدالتی افسران کے فتاویٰ، انگریزی قانون کے موضوعات کی طرز پر ترتیب دیے گئے تھے۔ اس کتاب میں برطانوی جج کو متعلقہ قانون سے آگاہی کے لیے

35– “Thus, it is said, many rules ill-suited to oriental habits and institutions, and which would never recommend themselves for adoption in the course of systematic law-making, are indirectly finding their way into India by means of that informal legislation which is gradually effected by judicial decisions. It is manifest that the only way of checking this process of borrowing English rules from the recognized English authorities is by substituting for those rules a system of codified law, adjusted to the best native customs and to the ascertained interests of the country.” See: Whitley Stokes ed., *The Anglo-Indian Codes* (Oxford: The Clarendon Press, 1887), xvi.

سادہ عبارات فراہم کی گئیں اور جزئیات کے ذکر سے صرف نظر کرتے ہوئے عمومی قواعد ذکر کیے گئے۔

اس سلسلے میں ٹیگور قانونی خطبات (Tagore Law Lectures)[۳۶]، جو کلکتہ یونی ورسٹی کے زیر اہتمام دیے گئے، کا کردار بہت نمایاں ہے جس نے تین اہم درسی کتب کو جنم دیا۔ مسلم قوانین کے موضوع پر سب سے پہلے ٹیگور خطبات شاما چرن سرکار (Shama Churun Sircar) نے ۱۸۷۳ء میں دیے جو *The Muhammadan Law* کے عنوان سے شائع ہوئے۔[۳۷] سید امیر علی نے ۱۸۸۴ء میں ٹیگور خطبات دیے جن کا مرکزی موضوع مسلمانوں کے ہبہ، وقف اور وصیت سے متعلق قوانین تھے؛ یہی خطبات اضافہ اور توسیع کے ساتھ *Mahommedan Law* کے نام سے ۱۸۹۲ء میں شائع ہوئے۔[۳۸] ۱۹۰۷ء میں سر عبد الرحیم نے جو ٹیگور خطبات دے وہ ۱۹۱۱ء میں *The Principles of Muhammadan Jurisprudence* کے عنوان سے چھپے۔[۳۹]

ٹیگور خطبات کے علاوہ جن کتب نے درسی کتب کے ضمن میں شہرت پائی ان میں نیل بیلی کی کتاب *A Digest of Moohummudan Law on the Subjects to which it is Usually Applied by British Courts of Justice in India* قابل ذکر ہے۔ یہ کتاب **فتاویٰ عالمگیری** کے منتخب حصوں کے ترجمے سے ترتیب دی گئی۔ اس کے علاوہ انگریزی قانون کا پس منظر رکھنے والوں اور اس کے طالب علموں کے لیے ولسن کی کتاب *An Introduction to the Study of Anglo-Muhammadan Law*[۴۰] اہم شمار ہوتی ہے۔

۳۶- ٹیگور خاندان کے پرسنا کمار ٹیگور (Prasanna Kumar Tagore) نے کلکتہ یونی ورسٹی کو Tagore Law Professorship کے لیے تین لاکھ روپے عطیہ کیے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

James W. Furrell, *The Tagore Family: A Memoir* (London: Kegan Paul, Trench & Co., 1882), 138.

37– Shama Churun Sircar, *The Muhammadan Law: Being A Digest of the Law Applicable Especially to the Sunnis of India* (Calcutta: Thacker, Spink and Co., 1873)

38– Syed Ameer Ali, *Mahommedan Law* (New Dehli: Kitab Bhavan, 2008)

39– Abdur Rahim, *The Principles of Muhammadan Jurisprudence According to the Hanafi, Maliki, Shafi'i and Hanbali Schools* (Lahore: Law Publishing Company, n.d.)

40– Roland Knyvet Wilson, *An Introduction to the Study of Anglo-Muhammadan Law* (London: W. Thacker and Co., 1894).

اینگلو محمڈن لا کی تشکیل فقہ حنفی کے مصادر کے منتخب حصوں پر کی گئی جن کو انگریزی قانون کے موضوعات کے اعتبار سے جمع کیا گیا تھا۔ درسی کتابوں میں شریعت کے ان حصوں کو۔۔۔ جنھیں برطانوی ہند کی عدالتیں نافذ کر رہی تھیں۔۔۔ کو نچوڑ کر ایک خاکے کی صورت پیش کیا گیا۔ اس طریقہ کار سے مسلم قانون کو برطانوی کنٹرول حاصل ہوا اور شریعت اس روپ میں برآمد ہوئی جو پہلے کبھی نہ تھی۔

تجزیہ

۱۔ نو آبادیاتی دور کے شریعت سے تعامل کے نتیجے میں جس قانونی روایت کی داغ بیل پڑی وہ اینگلو محمڈن لا سے موسوم ہوا۔ محمڈن لا شریعت سے بہت حد تک مختلف تھا حالاں کہ یہ برطانوی حکمرانوں کے دعوے کے مطابق مسلم قانون کو محفوظ کرنے کی سعی تھی۔ گزشتہ صفحات میں ذکر کیے گئے چار طریقوں: ترجمہ، قانون سازی، عدالتی نفاذ اور درسی کتب، نے شریعت کی اس انداز سے قطع وبرید کی کہ وہ جدید مرکزی ریاست (نو آبادیاتی) کی ضروریات کو پورا کر سکے۔ ان ضروریات میں کمپنی کی موجودگی کا جواز، مقامی حضرات اور محکموں کے تعاون کا حصول اور اپنی طاقت کا بہ ذریعہ قوت استعمال قابل ذکر ہیں۔ اینگلو محمڈن لا میں توازن جلد ہی اینگلو کی جانب جھک گیا جو ریاست کی اشرافیہ اور انتظامیہ کی بڑھتی ہوئی قوت کا مظہر تھا۔ ولسن نے محمڈن لا کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ یہ ایک خاص نوعیت کا قانون ہے جو ہند کے محمڈن (مسلمانوں) پر نافذ کیا گیا، جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اصلی محمڈن لا (شریعت) سے بہت مختلف ہو گیا۔[۴۱]

۲۔ مقامی قانون سے آگاہی اور پھر اس میں ایک جامع متن کا انگریزی میں ترجمہ کرنے کے انتخاب میں ایک بڑی رکاوٹ قانون کے بارے میں انگریزوں کا تصور تھا جو اس تصور سے مختلف تھا، جو اس وقت مسلمانوں کے ہاں رائج تھا۔ اس کی تفصیل موجودہ تحریر کے دائرے سے باہر ہے تاہم این. جے. کولسن (N. J. Coulson) کا مندرجہ ذیل ملاحظہ قابل ذکر ہے:

> قانون کی ماہیت، اس کی طبیعت اور اس کے مصادر کے بارے میں مغربی اصول قانون نے مختلف جوابات دیے ہیں۔ ان جوابات کے مصادر مختلف النوع ہیں۔۔۔ سیاسی بالادست کے احکامات، عدلیہ کا سینہ، معاشرے کے نشوونما کی "خاموش و گمنام قوتیں" یا اس کائنات کی اپنی طبیعت۔۔۔ اسلام میں اسی سوال کا ایک جواب ہے جو اس کا بنیادی عقیدہ بتاتا ہے

۴۱۔ نفس مرجع، ۲۔

(یعنی) قانون اللہ کا حکم ہے جب کہ فقہ اس حکم کے مندرجات کی دریافت کا نام ہے۔ [۴۲]

ولسن نے اپنی کتاب کے مقدمے میں ہندوستان کی دیوانی عدالتوں میں رائج قوانین کے بارے میں یہ تنبیہ کرتے ہیں کہ یہ دراصل ہندوؤں اور مسلمانوں کی زندگی پر لاگو احکامات کا ایک حصہ ہے، جو عدالتوں کے ذریعے نافذ کیا جاتا ہے، وگرنہ اسلام اور ہندومت اپنی شریعت اور دھرم میں تمام انسانی اعمال کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ اس صورت حال میں برطانوی ریاستی امور کے حضرات وقتاً فوقتاً اس امر کا تعین کرتے آئے ہیں کہ مشرقی ضابطوں کا کتنا (اور کون سا) حصہ اس دائرے میں آتا ہے جس کو انگریزی اصطلاح میں قانون شمار کیا جاتا ہے اور کتنا حصہ ان لوگوں کے ضمیر پر چھوڑ دیا جائے جو ان ضابطوں کو مذہبی طور پر ضروری گردانتے ہیں۔ (علاوہ ازیں ان ضابطوں) میں کتنا حصہ ہے جو نقصان دہ اور غیر اخلاقی ہونے کی وجہ سے قوت کے ساتھ دبانے کا مستحق ہے۔ ان امور کا تعین کرتے وقت یورپی اہل علم مشرقی مصادر کے مندرجات کو الگ کر کے تقسیم بندی کرتے ہیں، انگریزی اور اسکاٹش قانون دانوں کے سوچنے کے انداز، تشریح کرنے کے طریقہ کار پر اثر انداز ہوتے ہیں اور ضوابط کے مجموعے جو جدید یورپ کی پیداوار ہیں، حقائق کی تحقیق کا طریق کار متعین کرتے ہیں اور آخر کار کس حکم کو نافذ کرتے ہیں۔ [۴۳]

۳۔ قانونی مصادر کے ترجمے کے سلسلے میں چند ہی متون کا ترجمہ ہو سکا اور انھی پر برطانوی ججوں نے قانون معلوم کرنے کے لیے انحصار کیا۔ آنے والے وقت میں انھی متون کو عدالتی فیصلوں کے لیے مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی اور کسی مسئلے میں مسلم قانون کو جاننے کے لیے مرجع اور قطعی حیثیت اختیار کر گئے۔ اس سے نو آبادیاتی دور کا نافذ کردہ ''محمڈن لا'' سخت اور غیر لچک دار ہو گیا۔ یہ ایک قدرتی نتیجہ تھا کیوں کہ اسلامی قانون اس سے پہلے چند متعین متون میں قید نہ تھا۔ دوسرا یہ کہ شریعت کی تشریح اور نفاذ تاریخی طور علما کا شعبہ تھا اور قضا کے شعبے سے یہی طبقہ منسلک تھا۔ نو آبادیاتی دور میں یہ حضرات قانونی مشیر کے طور پر عدالتوں سے منسلک رہے لیکن ان کا کردار بہ تدریج کم ہوتا گیا۔ ان کے تشریح کرنے کے عمل کو متن کے ساتھ بد دیانتی کے طور پر دیکھا گیا، بلکہ تراجم کے مقدموں میں واضح طور پر یہ پہلو بیان کیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ برطانوی ججوں کو قانون تک براہ راست رسائی ہونی چاہیے

42– N. J. Coulson, *A History of Islamic Law* (Edinburgh: Edinburgh University Press, 1971), 78.

43– Wilson, *An Introduction to the Study of Anglo-Muhammadan Law*, 2.

اور اس میں مقامی افراد کی مدد شامل نہ ہو۔

حرف آخر

شریعت موجودہ دور میں کیسے نافذ ہو؟ اس سوال پر موجود نظریات پر دوبارہ نگاہ دوڑانے کی ضرورت ہے۔ خاص طور پر نافذ العمل قوانین کے تاریخی پس منظر کے حوالے سے جدید دور میں قانون سازی کیسے کی جائے؟ اور کون کرے؟ فقہی ورثے کی حیثیت نیز عدالتی فیصلوں کی حدود کیا ہو؟ ان پر چند اہل علم کی طرف سے معروضات سامنے آئی ہیں۔ عصر حاضر میں کئی علمی ادارے ملکی اور بین الاقوامی سطح پر وجود میں آچکے ہیں اور اسلامی قوانین کے حوالے سے کئی عملی تجاویز پیش کی جاچکی ہیں۔ مزید یہ کہ کئی انفرادی وقیع کام بھی منصۂ شہود پر آچکے ہیں۔

ملکی قوانین کو مقامی قوانین کے ہم آہنگ بنانے (Decolonization of Law) یا اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ کرنے (Islamization of Law) کی مباحث، کاوشوں، نتائج اور پیچیدگیوں کا براہ راست تعلق ڈیڑھ صدی پہلے نوآبادیاتی دور میں متعارف کروائے گئے قوانین کے تاریخی پس منظر سے ہے۔ یہ قوانین پون صدی پہلے نوآبادیاتی دور کے باقاعدہ اختتام کے بعد بھی نافذ العمل ہیں اور ہمارے قانونی وعدالتی نظام کا حصہ ہیں۔

قانون میں تبدیلی کو جو کاوشیں اب تک سامنے آئی ہیں ان میں سب سے نمایاں نافذ العمل قانون سے ان امور کو ہٹانا ہے جو اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ تاہم اس کا ہرگز مطلب یہ نہیں ہے کہ قطع وبرید کے بعد قوانین اسلامی قوانین کہلائے جانے کے حق دار ہیں۔ اس طرح کی کاوشوں کا لازمی نتیجہ ان پیچیدگیوں کی پیدائش کی صورت میں نکلتا ہے جو حدود، قصاص و دیت آرڈیننس کے اجرا کی وجہ سے ہوئیں، کیوں کہ یہ قوانین قانون تعزیرات ہند (پاکستان) کی اساس پر کھڑے ہیں۔ یہی صورت حال قانون شہادت آرڈر ۱۹۸۴ء کی ہے جو دراصل قانون شہادت ۱۸۷۲ء کی اساس ونقشے پر قائم ہے۔ (راقم کا ارادہ ان کاوشوں کی اہمیت گھٹانا نہیں ہے۔)

عدالتی نفاذ (Adjudication) قدرتی طور پر قانون میں تغیر اور اس کی سمت متعین کرنے میں ایک مؤثر حیثیت رکھتا ہے۔ موجودہ دور میں اس کے مثبت استعمال سے قانون کو اپنی روایات سے ہم آہنگ کیا جاسکتا ہے۔ اس سلسلے میں یہ پہلو بھی قابل اعتنا ہے کہ جدید دنیا میں ریاست اور شہری کے حقوق اور انسانی حقوق جیسے نظریات کو اپنی اقدار کے موافق استوار کیسے کیا جائے۔

۞ ۞ ۞ ۞ ۞